© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

مقالات

پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار☆

اکبر الٰہ آبادی اور جدید ذہن

اکبر الٰہ آبادی اور ڈاکٹر محمد اقبال نے جو تہذیبی جنگ گذشتہ صدیوں میں لڑی، اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔اس لئے جدید ذہن اور نئی نسلوں کے لئے اِن کے اَفکار آج بھی تازہ اور بصیرت افروز ہیں۔

کلامِ اکبر کا مطالعہ کیا جائے تو گذشتہ اور موجودہ صدی کی کشمکش کے بہت سے گوشے سامنے آتے ہیں۔اس زمانے کا شاید ہی کوئی واقعہ یا مسئلہ ایسا ہوگا جو لسان العصر اکبر کی نظر سے اوجھل رہا ہو۔ان کے نکتہ رَس ذہن نے ظریفانہ انداز میں یا سنجیدہ پیرائے میں ہر اس بات کا نوٹس لیا جو قومی زندگی اور تہذیب و معاشرت پر اثر انداز ہونے والی تھی۔ ان میں بعض وقتی اور ہنگامی باتیں بھی ہیں اور ایسی باتیں بھی جو ملک اور قوم کی تقدیر اور تاریخ بنا رہی تھیں۔نکتہ چینوں کو اکبر کے ہاں پائپ کے پانی اور ٹائپ کے حروف سے لے کر پیرس سوپ، ڈاسن کے بوٹ، سولا ہیٹ، جیکٹ و پتلون، مس (Miss) کے لونڈر اور بیگم کے عطرِ حنا تک بے شمار چھوٹی چھوٹی چیزوں کا اتا پتا مل جائے گا اور وہ اپنی تخلیقی تنقید کے شوقِ فضول کی تسکین کے لئے اکبر پر جو اتہامات چاہیں، باندھ سکتے ہیں لیکن بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو کلامِ اکبر کا یہ حصہ جو آج سطحی اور فروعی باتوں کا آئینہ دار نظر آتا ہے، دلچسپ ہونے کے باوجود یہ مقدار میں بہت تھوڑا ہے۔

اکبر کی ظرافت کو بھی یار لوگوں نے بہت اُچھالا، اور اس میں شک نہیں کہ اکبر کا ظریفانہ اسلوب ان سے مختص ہے۔لیکن ایک تو یہ ظرافت ان کے آنسوؤں کی پردہ دار ہے، دوسرے یہ ظریفانہ کلام بھی ان کے مجموعہ کلام میں مقدار کے اعتبار سے کوئی بہت زیادہ نہیں۔اکبر کا سنجیدہ، عارفانہ کلام جس میں حکمت و دانش کے بے شمار موتی بکھرے ہوئے ہیں، کیفیت و کمیت کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے لیکن اس پر ہمارے دانشمندوں نے بہت کم توجہ فرمائی ہے۔ نصف صدی کا عرصہ ہوا، اکبر کی سنجیدہ شاعری پر ایک مضمون 'علی گڑھ میگزین' اکبر نمبر میں، میری نظر سے گزرا تھا۔ ورنہ عام نقادوں نے اس حقیقت کا احساس ہی نہیں کیا۔یہی وجہ ہے کہ اکبر کو سمجھنے میں بہت کوتاہی ہوئی ہے۔

کلامِ اکبر کے کئی اہم اور مستقل پہلو ہیں جن پر غور کیا جائے تو ان پر طویل مضامین لکھے جاسکتے ہیں، اور گذشتہ دور کی داستانِ ہوا و ہوس کی رنگینیاں اور جذبہ عشق و مستی کی کرشمہ سازیاں بیان کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہم اس وقت تین اہم رجحانات پر، جو جدید ذہن کو متاثر کرنے والے ہیں، نہایت اختصار سے گفتگو

☆ مدیر مجلّہ 'اقبال' ...... بزم اقبال، لاہور

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

کریں گے، یہ رجحانات سیاسی، تعلیمی اور تہذیبی مسائل کے بارے میں ہیں۔

سیاسی حالات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے عوامل بدلتے رہتے ہیں لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کو یہ ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں نظر آئیں گی۔ اسی لئے اقبال نے تاریخ کو قومی حافظے سے تشبیہ دی ہے[1]۔ اگر اس حافظے سے ماضی کے واقعات کا ریکارڈ محو کر دیا جائے تو حال بے معنی ہو جائے گا اور مستقبل کے بارے میں کوئی صورت سوچی بھی نہ جاسکے گی۔ مثلاً یہ دیکھئے کہ ہم نے آزادی کس طرح حاصل کی اور ظہورِ پاکستان کے اسباب وعلل کیا تھے؟ ان باتوں سے موجودہ اور آئندہ نسلوں کو بے خبر کر دیا جائے تو دشمن کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر وہ اسے بے معنی سمجھنے لگیں گی۔ لیکن اگر انہیں ان احوال وکوائف سے باخبر رکھا جائے جن کے نتیجے میں پاکستان بنا اور انگریزی استعمار اور ہندو سامراج کے دوہرے عذاب سے ہمیں نجات ملی، تو قلب وذہن میں کوئی تشکیک پیدا نہ ہو سکے گی۔

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگ آزادی سے لے کر ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کے یومِ آزادی تک ہماری پچھلی اور موجودہ نسلوں کو بے شمار مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ان میں تین مراحل بڑے واضح ہیں۔ پہلا مرحلہ ۱۸۵۷ء کے بعد نصف صدی تک پھیلا ہوا ہے جس میں شکست خوردگی اور احساسِ کمتری کا رجحان غالب رہا، پھر بیسویں صدی کے آغاز سے سیاسی بے چینی اور بے اطمینانی کا لاوا پکنے لگا اور محکومی کا احساس شدت سے قلب وذہن کو متاثر کرنے لگا۔ یہ رجحان پہلی جنگِ عظیم تک نتیجہ خیز مرحلے میں داخل ہو چکا تھا اور پھر تیسرا رجحان تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کی گرمیٔ ہنگامہ کی صورت میں نمودار ہوا جس نے برطانوی استعمار کی بنیادوں کو ہلا دیا اور اسے مجبور کر دیا کہ وہ اصلاحات کی رفتار کو تیز کرے اور جلد از جلد اپنا بوریا بستر گول کرے۔ دوسری جنگِ عالمگیر نے اس رجحان کو اس کے منطقی انجام سے مزید قریب تر کر دیا۔ نتیجۃً برصغیر کو آزادی ملی اور بھارت اور پاکستان دو آزاد ملک معرضِ وجود میں آئے۔

لسان العصر اکبر کو اس تاریخی عمل میں جس دور سے سابقہ پڑا، وہ ۱۸۵۷ء کے بعد کی شکست خوردگی کے احساس سے لے کر تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کا زمانہ ہے۔ جنگِ آزادی کا ہنگامہ برپا ہوا تو اکبر گیارہ بارہ سال کے تھے۔ تحریکِ خلافت عروج پر تھی جب انہوں نے رحلت فرمائی۔ پہلے دو مرحلوں کے نشانات کلامِ اکبر میں بڑے واضح ہیں اور آخر مرحلے کے بارے میں حکیمانہ اشارات ملتے ہیں۔ بیسویں صدی کے شروع میں تو اکبر کے ہم نوا، راز داں اور بھی پیدا ہو چکے تھے۔ اقبال، ظفر علی خان، محمد علی، شوکت علی، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، جن کی للکار و پکار نے لوگوں کے حوصلوں میں جولانی پیدا کر دی تھی، لیکن انیسویں صدی کے شکست خوردہ ماحول میں اکبر کو یہ جنگ تنہا لڑنی پڑی ؎

ہے اکبر بے کس ایک طرف اور ساری خدائی ایک طرف!

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

اکبر نے برطانوی استعمار کے خلاف محکوم اور لاچار قوم کی یہ جنگ شعری فنون کے ایسے حربوں سے لڑی جو ان کی ذاتی آرڈیننس فیکٹری میں ڈھالے گئے تھے۔ سرد موسم کی برف بار ہواؤں میں شاہد معنی نے ظرافت کا لحاف اوڑھ کر وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو اس زمانے میں کسی حریت پسند کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا ؎

پالیسی ان کی رہے قائم ہماری دل لگی!

صاحب کی استعماری پالیسی اور اس کے بارے میں اکبر کی یہ دل لگی ہماری تاریخی جدوجہد کا بڑا صبر آزما مرحلہ تھا جس کی اہمیت کا اعتراف ابھی تک نہیں کیا جا سکا۔ ایک سامنے کی مثال لیجئے جواب خود تاریخ بنتی جا رہی ہے۔ ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء لگا تو سب لوگ منقارِ زیر پر تھے۔ ملک میں سیاسی گھٹن کی فضا تھی۔ اہل دل دم بخود تھے۔ اس عالم میں ایک منحنی سے انسان محمد رستم کیانی نے ایک اندازِ خاص میں صدائے حق بلند کی۔ اقتدار کی جبینوں پر شکن پڑے، تیوری چڑھی لیکن کہنے والا اپنے اسلوب میں جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہتا چلا گیا۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر اکبر کے سیاسی افکار کا جائزہ لیں تو یہ منظر نگاہوں کے سامنے آئے گا کہ جب برصغیر میں سیاسی عمل مفقود تھا، ملک میں صرف ایک طاقت نظر آتی تھی اور وہ برطانوی شہنشاہیت تھی۔ خاص و عام سب اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے، اکبر بھی اس ہجوم میں شامل ہو کر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے، لیکن ساتھ ہی مقطعے میں آ کر یہ سخن گسترانہ بات کہہ جاتے ہیں ؎

جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر
تو حرج کیا ہے جو ساتھ اس کے ڈیم فول بھی ہے!

محکوموں کی بے حسی پرعبرت کا یہ تازیانہ برسانا اور حاکموں کی فرعونیت پر طنز کا یہ تیر چلانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اکبر کا یہ شعر تو اکثر زبانوں پر آ جاتا ہے: ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

صنعتِ تلمیح کے پردے میں استعماری نظامِ تعلیم پر اس سے بہتر تنقید اور کیا ہو سکتی ہے۔ 'جلوہ دربار دہلی' میں برٹش امپیریلزم کے اَوج و اِقبال کا نقشہ کس نے نہیں دیکھا؟ ایک لاغر و منحنی سا شاعر 'آنکھیں میری، باقی ان کا' کی اوٹ سے کرزن مہراج کے رخِ انور پر پڑے ہوئے استعماری پردے کو اس جسارت سے نوچ ڈالتا ہے۔ پھر مس (Miss) 'برقِ کلیسا' کو کون بھول سکتا ہے جس کے جوبن اور اُبھار پر اکثر لیڈرانِ قوم فریفتہ ہو چکے تھے۔ اس کے ناز و انداز اور بے رخی و کج ادائی کا عالم یہ تھا: ؎

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

اور جب عاشق وارفتہ کی بےضمیری وخودفروشی یہاں تک پہنچ جاتی ہے:

میرے اسلام کو ایک قصہ ماضی سمجھو

تو محبوبہ ہرجائی کی خودسپردگی کا معاملہ یہ ہوتا ہے :

ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو!

صرف یہ دونظمیں ہی اکبر کی سیاسی بصیرت، جرأت و ہمت اور ان کے قومی کردار کی مکمل نشاندہی کے لئے کافی ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اکبر نے اپنی نظموں اورغزلوں میں جابجا بڑے بلیغ انداز میں اس دور کے سیاسی اَحوال کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ظرافت، شوخی اورتغزل کے دلفریب پردوں میں جھانک کر دیکھا جائے تو ہمیں اکبر کی ذات میں ایک جری سیاسی مفکر چھپا ہوا نظر آئے گا۔ زیادہ تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں۔ امثالِ حقیقت کے طور پر غزل کے دوشعروں ہی کو لیجئے اور غور فرمایئے کہ کس حسن تغزل کے ساتھ اکبر اپنے عہد کے سیاسی اَحوال کو ان شعروں میں سموگئے ہیں۔ایک شعر ہے:

بارِ احسان جسے کہتے ہیں وہ ہے کوہِ جفا
کاش نادم ہوں یہ احسان جتانے والے

"White Man's Burden" کی تاریخی اصطلاح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس شعر کو دوبارہ پڑھیے، استعماری عمل اور اکبر کے فکری ردّعمل کا مفہوم پوری طرح واضح ہوجائے گا۔دوسرا شعرعرض ہے:

گائیں سبزہ پا گئیں کر کے کلیل
اونٹ کانٹوں پر لپکتے ہی رہے

اکبر کی شعری علامات میں گائے ہندوقوم اوراس کی تہذیب کی نمائندگی کرتی ہے اور اونٹ مسلم قوم کی۔ اب اس شعر کو ۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات کے آئینے میں دیکھئے جب ہندوقوم برطانوی حکومت سے تعاون کرکے سرسبز ہو رہی تھی اور مسلمان نشانۂ عتاب وانتقام بنے ہوئے تھے اور تقسیم ملک اور ریڈ کلف ایوارڈ تک بنے رہے!

ایک شعر اور سن لیجئے۔تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے زمانے کا ہے۔ وضاحت کی یہاں شاید ضرورت نہ پڑے:

گاندھی سے کیوں ہو وحشت باطن کی مسٹری ہے
شوکت سے کیوں نہ کھٹکیں ان کی تو ہسٹری ہے

مجھے امید ہے اکبر کا سیاسی تفکر اور کردار ان چند مثالوں سے بخوبی واضح ہوگیا ہوگا۔اکبر کی شاعری کا یہ پہلو جدید ذہن کے لئے بڑا سبق آموز ہوسکتا ہے۔ زمانۂ محکومی میں استعمار کا رنگ روپ کیا تھا، ہندو مسلم

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

تعلقات کس نہج پر جارہے تھے، اور مستقبل قریب میں اس کے کیا نتائج نکلنے والے تھے؟ یہ باتیں ہمیں کلام اکبر میں ملیں گی۔ اکبر کے بہت سے اندیشے درست ثابت ہوئے۔ کچھ باتیں وقتی حالات کے ساتھ رفت گذشت ہوگئیں۔ بہرکیف خودشناسی کے نقطہ نظر سے یہ موضوع پرانا ہونے کے باوجود نیا بھی ہے۔

(۲) اب میں دوسرے رجحان یعنی جدید مغربی تعلیم کے نازک مسئلے کی طرف آتا ہوں۔ جدید تعلیم کا مسئلہ گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ایک اہم بلکہ بنیادی اور اختلافی مسئلے کے طور پر ہماری قومی زندگی کو متاثر کئے ہوئے ہے۔ جدید تعلیم سے مراد اگر محض مغربی علوم کی تحصیل ہوتی، تو شاید کوئی بھی صحیح الخیال انسان اس کی مخالفت نہ کرتا، اور اس کی افادیت کو شک کی نظروں سے نہ دیکھتا۔ لیکن اصل مسئلہ تو اس غرض وغایت کا تھا جو نئی تعلیم کے جاری کرنے میں کارفرما تھی۔ اور یہ غایت بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ برصغیر کے پہلے تعلیمی کمیشن کے چیئرمین لارڈ میکالے نے اپنی تعلیمی روداد (Minuts) میں جدید تعلیم کے استعماری مقصد کو بڑے نمایاں طور پر بیان کردیا تھا کہ ''ہمیں اس وقت لازماً ایک ایسا طبقہ بنانا چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو، اور یہ طبقہ ایسا ہونا چاہئے جو رنگ اور خون کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق اور رائے، اخلاق اور ذہن کے اعتبار سے انگریز ہو''۔ (۲)

میکالے کے بیان کردہ اس مقصد کو سامنے رکھئے اور جدید مغربی تعلیم پر لسان العصر کی تنقید کو دیکھئے، تو اس بارے میں کوئی اِبہام باقی نہیں رہے گا۔ اکبر مغربی علوم کے مخالف نہیں تھے۔ وہ تو اس استعماری، سرکاری تعلیم کے مخالف تھے جس کا مقصد قوم کے نونہالوں کو ذہنی اصطباغ دینا تھا:

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے؟ فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے؟ فقط سرکاری ہے
صیاد ہنر دکھلائے اگر تعلیم سے سب کچھ ممکن ہے
بلبل کے لئے کیا مشکل ہے اُلو بھی بنے اور خوش بھی رہے

یہ وہ نازک مسئلہ تھا جس پر اکبر کا شیخ بقولِ اقبال ''مغربی تعلیم کے بارے میں سرسید احمد خان کے ساتھ مدۃ العمر'' لڑا جھگڑا کیا۔ آج ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بے چارے قدامت انتساب شیخ کا خوف کچھ بے بنیاد نہ تھا''(۳)

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

مسیحی پادری تو ہماری قوم کے بچوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب نہ ہوسکے لیکن استعماری تعلیم نے انہیں ذہنی اصطباغ دے کر اپنے حسب ونسب سے بیگانہ بنا دیا:

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی، کلرکی کر، خوشی سے پھول جا

جدید تعلیم کے نام پر علوم سے زیادہ مغربی کلچر کی نقالی پر، انگریزی زبان سے زیادہ انگریزیت کی طرف میلان بڑھا، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ بلکہ آزادی سے قبل سیاسی تحریکوں کی بدولت جو تھوڑا بہت حجاب تھا، یا قومی شعور اُبھرا تھا، وہ بھی آزادی کے بعد ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ اور مغربی کلچر اور انگریزیت کا شوق ایک خاص طبقے میں جنون کی حد تک بڑھ گیا ہے۔ یہ سوچنے کی بات ہے، کیا یہ طبقہ وہی تو نہیں جس کا تخیل میکالے کے ذہن میں پیدا ہوا تھا؟

آزادی کے بعد تعلیمی جہت کو درست کرنے اور اسے قومی مقاصد سے ہم آہنگ بنانے کے لئے کئی تعلیمی کمیشن بٹھائے گئے۔ لیکن ہر کمیشن زبانی لیپا پوتی کرکے اور ہاتھ کی صفائی دکھا کر رخصت ہوا۔ رہی سہی کسر عمل درآمد کمیٹیوں نے نکال دی۔ نتیجہ یہ کہ بنیاد وہی رہی۔ میکالے کا نظریۂ تعلیم آج بھی کامیاب ہے، بلکہ پہلے سے کامیاب تر۔ اب ہر کوئی انگریز سے زیادہ انگریزی کا دلدادہ، انگریزی سے زیادہ انگریزیت کا شیدائی اور انگلش میڈیم سکولوں کا فدائی ہے۔

اندریں حالات اکبر کے تعلیمی اَفکار آج بھی ہمارے لئے ایک لمحہ فکریہ مہیا کرتے ہیں۔ انہوں نے مغربی علوم کی مخالفت نہیں کی۔ البتہ قومی تعلیم کے لئے ایک غایت کی نشاندہی ضرور کردی ہے:

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اُڑو چرخ پہ جھولو
لیکن ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اکبر کے نزدیک علم کی منتہائے مقصود تو یہ ہے:

علم وہ خوب ہے جو حسن عمل تک پہنچے
ذوق وہ خوب کہ جو رازِ اَزل تک پہنچے

تعلیمی مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے اکبر نے کچھ ترجیحات بھی قائم کی ہیں۔ قومی تشخص کے نقطہ نظر سے انہوں نے دینی اور اَخلاقی پہلوؤں پر خاص زور دیا ہے۔ مادّی نقطہ نظر سے تجرباتی سائنس اور صنعتی تعلیم کو اوّلین حیثیت دی ہے۔ پھر اَدب اور آرٹ کے مضامین آجاتے ہیں۔ فلسفہ چونکہ ذہنوں میں

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

تشکیک پیدا کرتا ہے۔ اس لئے فلسفے سے خود دلچسپی رکھنے کے باوجود اکبر نے فلسفے کی تعلیم سے عام طور پر بچنے کی تلقین کی ہے:

فلسفے میں کیا دھرا ہے گھر کا ہو یا لندن
سعی کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ

....

عزم کو تقلید مغرب کا ہنر کے زور سے
لطف کیا ہے لد لئے موٹر پہ زَر کے زور سے

جدید تعلیم پر اکبر کی تنقید اور پھر مثبت انداز میں ان کی تلقین کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ اکبر کا نظریۂ تعلیم گذشتہ دور ہی میں نہیں، آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتا ہے۔

(۳) اب میں تیسرے رجحان، تہذیبی پہلو کی طرف آتا ہوں۔ سیاسی محکومی اور اس کے بعد استعماری تعلیم کی بدولت ذہنی محکومی کا تلخ پھل جدید تہذیب و معاشرت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اکبر اور اقبال کو اپنے اپنے زمانے میں اس محاذ پر سخت معرکہ آرائی سے دوچار ہونا پڑا۔ سرسید احمد خان نے 'تہذیب الاخلاق' جاری کرکے اپنی 'وحشی' قوم کے سامنے یہ نصب العین رکھا کہ وہ کامل درجے کی سولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرے[۴]۔ کامل درجے کی تہذیب کا یہ تصور انہوں نے مغرب سے لیا تھا:

''تمام خوبیاں دینی اور دنیوی جو انسان میں ہونی چاہئیں، وہ خدا تعالیٰ نے یورپ کو اور اس میں بالتخصیص انگلینڈ کو مرحمت فرمائی تھیں''۔[۵]

سرسید احمد خان بڑے ہی مخلص تھے اور بقولِ حالی ''قوم کے سچے بہی خواہ تھے''[۶] وہ اسلامی درد سے بھی بہرہ ور تھے۔ یہ سب باتیں بجا، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا یہ اقدام یا تجربہ نہایت خطرناک عواقب کا پیش خیمہ تھا۔ بقولِ اکبر:

سر میں تھا سید کے قرآں ، زیر پا میخانہ تھا !

احساسِ شکست میں مبتلا محکوم قوم کو یہ مشورہ دینا دو اَحوال سے خالی نہ تھا۔ یا تو وہ انگریزوں کی طرح 'سراپا مہذب' بن جائے اور یا پھر جو کچھ اس کے پاس ہے اس سے بھی ہاتھ دھو کر نہ اِدھر کی رہے نہ اُدھر کی:

مرید دھر ہوئے وضع مغربی کرلی
نئے جنم کی تمنا میں خودکشی کرلی

اکبر کے لئے یہ ساری صورت حال بڑی الم انگیز تھی۔ ان کے نزدیک یہ وقت نئے تجربات کے لئے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

موزوں نہیں تھا:

کہ فرطِ ضعف نہیں وقت آپریشن کا

اکبر کے انتباہ کی پرواہ نہ کی گئی۔ تجربے ہوتے رہے۔ نئی نئی آنچیں لگتی رہیں اور ان میں بے کس قوم پگھلتی رہی۔ نہ مشرقی رہی، نہ مغربی بنی۔ عجیب وغریب سانچے میں ڈھلتی رہی اور اکبر بھی اپنے عجز وانکسار کے باوجود ساری عمر یہ تہذیبی جنگ لڑتے رہے۔ ناکامیوں اور مایوسیوں کے باوجود انہوں نے حرب وپیکار میں حوصلہ نہیں ہارا۔ مغربی تہذیب اپنے ساتھ اِلحاد، بے یقینی، نفس پروری، بے اخلاقی، بے راہ روی کا سیلاب لا رہی تھی۔ اکبر سیاسی محکومی کا کڑوا گھونٹ ظرافت کی حلاوت کے ساتھ حلق سے نیچے اُتار سکتے تھے۔ ایک طالبِ صادق کی طرح مغربی علوم کو بھی خوش آمدید کہہ سکتے تھے۔ لیکن یہ تہذیبی مرحلہ ان کے لئے، ان کی قوم وملت کے لئے سخت آزمائش کا تھا۔ یہاں سپر اندازی کا مطلب قوم کی مکمل شکست اور ہمیشہ کی ذلت ورسوائی کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا:

ہرگز نہیں ہم کو سلطنت کا افسوس ہے ابتریٔ معاشرت کا افسوس
انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اسکا ہے اپنی ہی میل معصیت کا افسوس

کیونکہ ''طالبِ حق کو فلک نے ان کا طالب کردیا'' تھا۔ اکبر کا غیر متزلزل عقیدہ تھا کہ آقا ومولاءِ یثربؐ کی متعین کردہ راہ سے ہٹ کر ہماری تہذیب ومعاشرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ حجازی تہذیب، باخدا تہذیب ہے اور اسلامی معاشرت حیادار معاشرت ہے۔ اس کی عبادات، اس کے معاملات، اس کی تفریحات، اس کا لباس، اس کی خوراک، اس کی رہائش، اس کے اسلوبِ حیات کے جملہ مظاہر عقیدۂ توحید ورسالتؐ سے پھوٹتے ہیں۔ موسمی اور مقامی تنوعات کے باوصف یہ تہذیب اپنے ہی محور یعنی دین حق کے گرد گھومتی ہے۔ دین سے بیگانہ ہو کر مسلمان کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ اس لئے اکبر ایسی مفاہمت کے قائل نہ تھے جس میں دین ہاتھ سے دینا پڑے۔ مصلحین قوم اور اکبر میں نزاع کا باعث درحقیقت اکبر کا یہی بے لچک رویہ تھا جو انہوں نے دین کے دفاع کے لئے ساری عمر اختیار کئے رکھا:

دل ہی دیتا تھا یہ، وہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث ہے کہ اکبر سے، بتوں سے نہ بنی

ہم یہ نہیں کہتے کہ سرسید احمد خان کو اس تجربے کی ہلاکت آفرینی کا احساس نہیں تھا۔ یہ تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک جری مصلح تھے، اور ان کی 'ڈسپاٹک' طبیعت میں انتہا پسندی موجود تھی۔ اس معاملے میں سرسید کے رفقا نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولوی سمیع اللہ خان، حالی، شبلی، نذیر احمد کے خیالات ان سے بہت مختلف اور اکبر کے بہت قریب تھے۔ خود سرسید کو بھی آخری زمانے میں اپنے تجربے کی ناکامی کا

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

احساس ہو گیا تھا۔ کیونکہ نئی نسل جس رنگ میں سامنے آئی اس کا تو وہ تصور بھی نہ کرتے تھے:

نہ حالی کی مناجاتوں کی پرواہ کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یارانِ خود آراء

تہذیبی جنگ کا یہ سلسلہ اکبر اور سرسید کے دور سے گزر کر کئی مرحلے طے کر چکا ہے۔ سیاسی تحریکوں نے بھی اس کا رخ بدلا۔ اقبال نے بھی تہذیبِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے اس کے دباؤ کو بہت کم کیا۔ لیکن کچھ ایسے حقائق بھی سامنے آتے ہیں جو مسلمانوں کے مزاج کے حوالے سے ذرا غور طلب ہیں۔ ایک کھٹک قلب و ذہن میں اکثر محسوس ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو غیروں سے زیادہ اپنوں سے کیوں نقصان پہنچتا ہے؟ یہ عجیب واقعہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک موقع پر اینٹی گاڈ سوسائٹی بنی۔ (۸) معاذ اللہ! یہ شرف بھی ایک مسلم یونیورسٹی ہی کو حاصل ہونا تھا۔ کسی دوسری یونیورسٹی کو یہ اعزاز نہ مل سکا۔ پھر ملحد اساتذہ کی کمین گاہیں بھی مختلف محمڈن اینگلو اورینٹل یا اسلامیہ کالجوں میں موجود رہیں۔ کسی دیانند اینگلو ویدک کالج، کسی سناتن دھرم کالج، کسی خالصہ یا مشن کالج کو یہ توفیق بھی نصیب نہ ہو سکی!

وہ تو گرجا پر رکا اور یہ گیا کعبے کو پھاند!

کوئی تحقیق کرنا چاہے تو یہ موضوع عبرت آموز ہونے کے علاوہ دلچسپ بھی ہے کہ جو تعلیمی ادارے غریب مسلمانوں کے چندے اور مسلم ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے چٹکی چٹکی آٹے کے ذریعے بنے، ان میں اسلام کے خلاف یہ مورچے کیونکر قائم ہوئے؟

اس ذہنی کھٹک کو لئے ایک روز میں غازی علم الدین شہید کے مرقد پر انوار پر پہنچا کہ شمع رسالت ؐ کا یہ پروانہ شاید میری کچھ رہنمائی کرے۔ مرقد سے ندا آئی کہ:

> ''مسلمان جب تک اپنے عقیدے و ایمان پر قائم رہتا ہے، وہ فاسق و فاجر بھی ہو، پھر بھی اس میں قومی غیرت وحمیت باقی رہتی ہے۔ عقیدے سے منحرف ہو کر وہ اللہ او ر رسول ﷺ ہی کا باغی نہیں ہوتا، بے غیرت بھی ہو جاتا ہے، اور اسلامی معاشرے میں بے غیرتوں کا کوئی مقام نہیں!''

اس سوال و جواب کو چھوڑتے ہوئے میں اس بات کی طرف آتا ہوں کہ دورِ حاضر کی اس تہذیبی جنگ یا معرکہ روح و بدن کے سلسلے میں اکبر کا جدید ذہن سے کیا تعلق ہے؟

یہ امر کوئی ایسا مخفی نہیں رہا کہ تہذیبِ مغربی اب نزع کی حالت میں ہے۔ بھاپ سے گزر کر ایٹمی توانائی تک رسائی حاصل کر لینے اور چاند تک پہنچ جانے کے باوجود اہل مغرب کو دھرتی پر سیدھے سبھاؤ چلنا نہیں آیا۔ مشرق کا انسان تو ان کے ہاتھوں دکھی تھا ہی، اب خود ان کا گھر بھی دکھوں کی آگ سے جل رہا ہے۔ بدن پھنک رہا ہے، روح تڑپ رہی ہے۔ اکبر نے شاید اسی وقت کی پیش گوئی کی تھی:

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے

آخر یہ ہزاروں، لاکھوں ہپی کس خوشی میں دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں؟ یہ اجتماعی خودکشیاں کیوں ہورہی ہیں؟ حقیقت میں یہ اس مادر پدر آزاد تہذیب کے مایوس العلاج مریض ہیں جنہیں کھاؤ پیئو اور عیش کرو کا سبق دیا گیا تھا۔ اب یہ اس عیش مسلسل سے اکتا گئے ہیں۔ ان کی حیوانی خواہشات کی تسکین نہ خمر وخنزیر سے ہورہی ہے، نہ چرس اور ہیروئین سے۔ اس تہذیب کا بھیانک انجام اب کوئی دور نہیں، لیکن حیرت تو اس بات پر ہے کہ ہمارے کھاتے پیتے خوش حال گھرانوں کے کچھ چشم و چراغ ابھی تک اس لبِ گور تہذیب کے صید ہوس بنے اپنی دنیا و عاقبت خراب کررہے ہیں!

دوسری طرف عالم اسلام کا ایک بڑا حصہ سیاسی محکومی کی زنجیریں توڑ کر حریتِ فکر وعمل کا متلاشی ہے۔ یہ ایک بہت بڑا انقلاب ہے جس کے جلو میں پندرہویں صدی ہجری کا آفتاب عالم تاب چند برس قبل طلوع ہوچکا ہے!!

اسلامی دنیا کی پسپائی کا زمانہ ختم ہوا۔ اب اس کی کارفرمائی کا دور شروع ہورہا ہے۔ اس عالم میں اقبال اور اکبر اسلامی دنیا کے بہت بڑے فکری رہنما ثابت ہوسکتے ہیں۔ اقبال کے سامنے اس عصر نو کی سحر بے حجاب تھی۔ اکبر شب رفتہ کے مسافر تھے۔ لیکن اس مردِ حق آگاہ نے کفر والحاد کی اس شبِ تیرہ وتار میں بھی حجازی تہذیب کے چراغ نیم شبی کو اپنے آنسوؤں کی لو سے روشن رکھا اور اعلاءِ کلمۃ الحق سے کبھی منہ نہ موڑا!

وجد میں آئے حیرتوں میں رہے عجز کے ساتھ لب کشائی کی
بندگی کا صلہ ملے نہ ملے داد دے دی مگر خدائی کی

حوالہ جات

۱۔ رموز بے خودی
۲۔ منٹس آن ایجوکیشن ان انڈیا، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۱۱۵
۳۔ ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر
۴۔ تمہید پرچہ 'تہذیبُ الاخلاق'
۵۔ مسافرانِ لندن، ص ۱۸۵
۶۔ حیاتِ جاوید (دیباچہ)
۷۔ حیاتِ جاوید، ص ۳۳۲
۸۔ مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی، ص ۲۰۰ تا ۲۰۴

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
© rasailojaraid.com